Quarterly Research Journal "Al-Qudwah", Volume 03, Issue 01, Jan-Mar 2025

AL-QUDWAH
ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054
https://al-qudwah.com

فتاوی نوریہ میں "العادۃ محکمۃ" سے استدلال کا منہج

The Methodology of Reasoning Based on al-'Ādah al-Muḥakkamah in Fatāwā Nūriyyah

ABSTRACT

This study delves into the jurisprudential methodology adopted in Fatāwā Nūriyyah, with a particular focus on the principle of al-'Ādah al-Muḥakkamah — the maxim that recognized custom holds authoritative status in Islamic law. The research analyzes how Mufti Noor Ullah Naeemi, a renowned Hanafi jurist of the Indian subcontinent, incorporated local and prevailing customs into his legal reasoning and fatwas. By examining selected rulings from Fatāwā Nūriyyah, the study illustrates the criteria under which a custom is considered valid (sahih) and binding (muḥakkam) within the framework of the Hanafi school.The paper also discusses the balance maintained between normative Islamic texts and societal practices, highlighting the flexibility embedded in the Hanafi legal tradition. It sheds light on the role of 'ādah in addressing novel issues, especially in the absence of explicit textual evidence. The research concludes that Mufti Noor Ullah's methodology exemplifies a pragmatic yet principled application of Islamic jurisprudence, ensuring legal relevance across changing cultural and temporal contexts.This exploration contributes to contemporary Islamic legal discourse by reaffirming the significance of contextual and customary considerations in fatwa-giving, particularly in pluralistic societies.

Keywords: Fatāwā Nūriyyah, al-'Ādah al-Muḥakkamah, Hanafi Jurisprudence, Mufti Noor Ullah Naeemi, Custom in Islamic Law, Islamic Legal Methodology

AUTHORS

Abdul Kareem*
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I Khan.

Dr. Fazal Ilahi Khan**
Professor, Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I Khan.

Dr. Abdul Wahab***
Professor, Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I Khan.

Date of Submission: 28-12-2024
Acceptance: 22-01-2025
Publishing: 25-02-2025

****Correspondence Author:***
Abdul Kareem*PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I Khan.

Web: https://al-qudwah.com/
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

مفتی صاحب کا نام محمد نور اللہ نعیمی اور آپ کی کنیت عبد الخیر جبکہ لقب فقیہ اعظم ہے۔ آپ کے والد کا نام مولانا ابو نور محمد صدیق بن مولانا احمد دین ہے۔ ضلع ساہیوال کے علاقہ دیپال پور کے ایک مشہور قصبے سوجے کی میں 16 رجب 1332 ہجری بمطابق 10 جون 1914ء کو پیدا ہوئے" (1)۔ آپ علیہ الرحمہ کو بچپن ہی سے علم دین حاصل کرنے کا از حد شوق تھا۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے قرآن پاک، فارسی اور صرف و نحو کی تعلیم اپنے والد گرامی مولانا ابو النور محمد صدیق (م 1961ء) اور اپنے جد امجد مولانا احمد الدین (متوفی 1942ء) سے حاصل کی" (2)۔ پھر علوم متداولہ کے حصول کے لیے 1345ھ میں مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گھمنڈ پور میں داخل ہوئے۔ جہاں چھ سال کا عرصہ محققِ دوران حضرت علامہ فتح محمد محدث بہاول نگری سے اکتساب فیض کر کے متعدد علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔(3)۔1351 ہجری میں مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا الحاج سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا ابو البرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علم حدیث کی تعلیم پائی۔ ابو البرکات مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا سید احمد قادری رحمہ اللہ نے آپ علیہ الرحمۃ کو ابو الخیر کی کنیت سے نوازا۔ کنیت دینے کے بعد آپ کو فقیہ اعظم کے لقب سے بھی عطا فرمایا۔" (4)۔ 23 نومبر 1933 عیسوی بمطابق 6 شعبان 1352 ہجری کو آپ نے مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سے سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔ سید دیدار علی شاہ نے آپ کو خصوصی سندات بھی عطا فرمائیں۔"(5) آپ نے درس و تدریس آغاز 1352ھ میں آغاز کیا۔ آپ نے 1352ھ سے 1356ھ تک موضع واسو سالم کے مقام پر اپنی تدریسی خدمات سر انجام دیں۔"(6)" آپ نے اپنی تدریس کے فرائض 1352ھ سے 1353ھ تک میں موضع واسو سالم میں انجام دیئے پھر ایک سال (1354ھ) کے لئے مولانا خواجہ محمد اکبر چشتی کے مدرسہ میں مسند تدریس پر فائز رہے۔ آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ صلاحتیں عطا فرمائی تھیں وہ اعلیٰ تخلیقی کاموں کے متقاضی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ نے دیپال پور جیسے غیر مشہور علاقے میں ایک مدرسہ دارالعلوم فریدیہ کی 1357ھ بمطابق 1938ء میں بنیاد رکھی۔(7) آپ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور مرشد کریم نے مفتی صاحب کی خواہش پر درس و تدریس کا وظیفہ عطا فرمایا۔(8)۔ یکم رجب 1403ھ بمطابق 15 اپریل 1983ء بروز جمعہ دوپہر ایک بجے وصال فرمایا۔ وصال کی خبر ٹیلی وژن اور ریڈیو پاکستان میں دو مرتبہ نشر ہوئی۔(9)۔ نمازِ جنازہ میں کم و بیش 40 ہزار نامور علماء و مشائخ عظام، اصفیاء و حفاظ کرام شریک ہوئے۔ ان خواص کے علاوہ عوام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل ہے۔"(10) 16 اپریل 1983ء کو آپ علیہ الرحمہ کی نمازِ جنازہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ علیہ الرحمہ کو دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں مدفن گیا گیا۔

فتاویٰ نوریہ کا تعارف

فتاویٰ نوریہ دور حاضر میں فقہ حنفی کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ فتاویٰ نوریہ کی اشاعت اول چھ جلدوں پر مشتمل تھی مگر بعد میں فتاویٰ نوریہ کی پانچویں اور چھٹی جلد کو جولائی 1990ء یکجا کر دیا گیا۔ چھٹی جلد اگرچہ ایک مستقل جلد ہے مگر اب پانچویں جلد کے تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتاویٰ نوریہ میں فقہ کے تمام بنیادی ابواب شامل ہیں۔ اس (فتاویٰ) میں سادہ اردو زبان استعمال کی گئی ہے جس کو ہر عام آدمی بالکل آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ فتاویٰ نوریہ کا مطالعہ علماء اور طلباء دونوں کے یکساں مفید ہے۔ جدید مسائل میں مفتی صاحب نے جو اجتہادات کئے ہیں وہ ان کے مجتہد ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ احکام بیان کرنے کے لئے مضبوط دلائل کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ کسی بھی مفتی کے علم کا اندازہ اس کے دلائل دینے سے لگایا جاتا ہے۔ دلائل کی دنیا میں فتاویٰ نوریہ ایک مضبوط فتاویٰ ہے جس میں قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ حنفی کی معتبر کتب کے دلائل سے

مزین کیا گیا ہے۔ دلائل میں بنیادی ماخذ کے ساتھ ساتھ قواعد فقہیہ کا استعمال بھی کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ "العادۃ محکمۃ" جو کہ بنیادی قواعد میں استعمال ہوتا ہے اس آرٹیکل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فتاویٰ نوریہ میں اس قاعدہ کو کس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

قاعدہ العادۃ محکمۃ کی وضاحت

اسلام ہمارے معاشرے کے اندر پہلے سے موجود رسم ورواج کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیونکہ اگر ان (رسم ورواج) کو کوئی حیثیت نہ دی جائے تو انسانی معاشرہ بجائے ترقی کے تنزلی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ چنانچہ انسانی معاشرہ میں پہلے سے موجود رسم ورواج کا شریعت اسلامیہ میں لحاظ کرنا مسلم ہے۔ مگر یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام اپنے مناسب اور متوازن اصولوں کی بنیاد پر رسم ورواج اور عرف وعادت میں مکمل اصلاحی یا جزوی طور پر ترمیم کرکے فطری راستوں پر فطری طریقوں سے گامزن کرتا ہے۔ اسلام میں انسانیت کی فلاح وکامیابی کا ایک بہترین نظام موجود ہے۔ اس لئے معاشرہ میں موجود ایسے رسم ورواج جو اسلام کے مبادی اصولوں کے مخالف نہ ہوں تو اسلام ان کی رعایت کرتا ہے اور ایسے رسوم ورواج جو اسلام کے مبادیات سے متصادم ہوں تو ان کا بہترین حکمت عملی سے متبادل فراہم کرتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عرف اور عادت کوئی مستقل شرعی دلیل تو نہیں ہے مگر اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ عرف کی رعایت نصوصِ شرعیہ کی تفسیر بیان کرنے، مطلق کو مقید کرنے اور عام کو خاص کرنے کے لئے کی جاسکتی ہے۔ کبھی کبھار عرف کی وجہ سے قیاس کو بھی ترک کیا جاتا ہے۔ عرف وعادت کی تعریف اور اقسام کو بیان کرنے کے بعد اس کے متعلقمسائل کو بیان کرنا ضروری ہے تا کہ العادۃ محکمۃ کے اصول کو اچھی طرح سمجھا جاسکے۔

عرف کی لغوی تعریف

عرف اور عادت ایک چیز کے دو نام ہیں۔ عادت عود اور معاودۃ سے ماخوذ ہے، عرف کا لغوی معنیٰ طریقہ، انداز اور کسی کام کے بار بار کرنے یا کسی کام کے بار بار ہونے کے ہوتے ہیں۔

العادة مأخوذة من العود أو المعاودة بمعنى التكرار، والعادة: اسم لتكرير الفعل أو الانفعال حتى يصير سهلاً تعاطيه كالطبع(12)

عرف کی اصطلاحی تعریف

العرف: ما استقرت النفوس عليه بشهادة العقول، وتلقته الطبائع بالقبول(13)

جو عقول صحیحہ اور طبائع سلیمہ کے قبول کرنے سے دلوں میں جگہ حاصل کریں۔

عادت

تعود الشئ وعاوده معاودة ای صار عادة له(14)

اصطلاحی تعریف

العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمة(15)

عادت عبارت ہے ان امور متکرر سے جو طبائع سلیمہ کو قابل قبول ہوں۔ یعنی ہر اس فعل اور قول کو کہتے ہیں جس کا عام لوگوں میں رواج ہو گیا ہو۔

ان العادة ماخوذة من المعاودة فهی بتكررها و معاودتها مرة بعد اخری صارت معروفة ، مستقرة فی النفوس والعقول متلقاة بالعقول منغير علاقة ولا قرينة حتى صارت حقيقة عرفية(16)

ترجمہ: "عادت معاودہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کا بار بار صادر ہونا یا کسی چیز کا بار بار کرنا۔ عادت یہ ہے کہ کوئی فعل بار بار صادر ہو پھر کسی وجہ سے مشہور ہو جائے نیز وہ فعل عقل وطبیعت میں بیٹھ جائے بغیر کسی عقلی تعلق اور قرینہ کے اسے لوگ قبول کرنے لگ جائیں تو اسی طرح عادت حقیقت عرفیہ بن جاتی ہے۔"

عرف وعادت میں فرق

جمہور فقہائے کرام نے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے عرف کو عادت قرار دیا ہے یعنی دونوں ہم معنی ہیں جبکہ بعض فقہاء نے عرف اور عادت کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عرف قول اور عادت فعل کو کہتے ہیں جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

" فالعادة والعرف بمعنى واحد من حيث لما صدق وان اختلفا من حيث المفهوم"(17)

ترجمہ: "عرف اور عادت صداقت کے اعتبار سے تو ایک ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔"

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے اپنی کتاب الوجیز فی اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ ان دونوں (عرف اور عادت) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے بلکہ یہ دونوں برابر ہیں۔(18)

محکمۃ کی تحقیق

لفظ محکمۃ تحکیم مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے فیصلہ یا قضا۔ حکم حاء کے پیش سے قضا کو بھی کہتے ہیں جس کی جمع احکام ہے اور اسی طرح حکم حکومۃ اور لفظ حاکم سے مراد ایسا شخص جو قضا (فیصلہ) نافذ کرتا ہے، اس کی جمع حکام آتی ہے

شریعت مطہرہ نے عادت کو فیصلہ کرنے والی بنایا ہے جس کے ذریعے کئی احکام میں مدد لی جاسکتی ہے۔ بہت سارے فیصلوں کو عادت کے تابع قرار دیا ہے اسی وجہ سے کئی فیصلوں کے متعلق حکم عادت کے مطابق دیا جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ قاعدہ نص قطعی کے مخالف نہ ہو۔ جو احکام عادت پر موقوف ہوتے ہیں تو ان احکام میں تغیر عادت کے تغیر پر موقوف ہوتا ہے اسی وجہ سے عادت کو محکمۃ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ استعمال الناس حجة يجب العمل بها۔(19)

عرف وعادت کی اقسام

عرف کی دو اقسام ہیں۔ 1۔ عرف صحیح 2۔ عرف فاسد

1۔ عرف صحیح

ایسا عرف جو لوگوں میں متعارف ہو مگر نصوص شرعیہ کے مخالف نہ ہو جیسا کہ ابو زہرہ نے اپنی کتاب اصول فقہ میں نقل کیا ہے۔

العرف الصحيح فانه يوخذ به اخذا باصل من اصول الشرع(20)

عرف صحیح ایسے عرف کو کہتے ہیں جس کی اصل شریعت کے اصولوں میں سے ہو۔

حکم

ایسے عرف پر عمل کرنا جائز ہے کیونکہ یہ اصول شرعیہ سے الگ نہیں ہوتا بلکہ اصول شرعیہ کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے

عرف فاسد

ایسا عرف جو لوگوں میں تو متعارف ہو مگر نصوص شرعیہ اس کے مخالف ہوں جیسا کہ ابو زہرہ نے نقل کیا ہے۔

عرف فاسد لايوخذ به وهوالذى يخالف نصا قطعيا۔(21)

حکم

ایسے عرف پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جو نص قطعی کے مخالف ہو۔

اسلام میں ہر قسم کی عادت کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ فقہاء کرام نے عرف کے معتبر ہونے اور احکام کی بنیاد رکھنے کے لیے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

عرف کے معتبر ہونے کی شرائط

1۔ عرف منصوص علیہ حکم کے خلاف نہ ہو۔

ایسا عرف جو نص یعنی قرآن وحدیث کے خلاف ہو اس عرف پر عمل کرنا جائز نہیں ہو گا۔ جیسے کسی علاقہ میں شراب پینے یا کسی علاقہ میں سود کا رواج عام ہو جائے تو عرف کی وجہ شراب پینا اور نہ ہی سود کھانا جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ شراب پینے اور سود کے حرام ہونے کے متعلق قرآن مجید میں صراحت موجود ہے: انما الخمر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ(22)

اور ایسے ہی ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:احل اللہ البیع وحرم الربوٰ(23)

2۔ عرف ماضی سے متصل ہو۔

عرف کے معتبر ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عرف معاشرہ میں پہلے سے رائج ہو اور وہی عرف موجودہ زمانے کے قول یا فعل کے صادر ہونے تک برقرار بھی رہے۔ جیسا کہ الاشباہ میں ہے:

العرف الذی تحمل علیه الالفاظ انما هو المقارن السابق دون المتاخر۔ ولذا قالوا : لا عبرة بالعرف الطاری ،فلذا اعتبر العرف فی المعاملات، ولم یعتبر فی التعلیق فیبقیٰ علی عمومه ،ولا یخصصه العرف (24)

شرح السیر الکبیر میں ہے:

وکذا الدعویٰ لا تنزل علی العادة ، لان الدعویٰ و الاقرار اخبار بما تقدم فلا یقیده العرف المتاخر ، بخلاف العقد فانه باشره للحال فقید ہ العرف۔(25)

"ضروری ہے ان دلائل کی تفسیر جو اوقاف ،وصیتوں، بیع کے معاملات اور شادی کی دستاویزات سے متعلق ہوں اور جو شرائط اور اصطلاحات پائی جائیں ان معاملہ کرنے والوں کے زمانہ کو اس عرف کے مطابق ان کو سمجھا جائے گا،نہ کہ اس عرف کے مطابق جو ان کے بعد پیدا ہوا ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی زمینی آمدنی علماء اور طلباء پر وقف کرے اور وہ عرف وقف کرنے کے وقت قائم ہو ایسے علماء کے ساتھ جو امور دین کے خبر گیری رکھتے ہوں نہ کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری شرط ہو اور طلباء سے مراد علم دین کے طالب علم ہوں پس وہ آمدنی انہی علماء پر خرچ ہو گی اور ان علماء کے لئے سند کے حصول کی شرط نہ ہو گی جب کہ اس کے اور عرف میں سند کے حصول کو ضروری سمجھا جائے۔ اسی طرح یہ آمدنی صرف علم دین پڑھنے والے طلباء پر خرچ ہو گی اگرچہ بعد میں عرفاً اس کا اطلاق عام ہو یعنی دینی اور دنیاوی علوم دونوں پر اطلاق ہو گا"(26)۔

3۔ عرف شائع و مستفیض ہو۔

عرف کے معتبر ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ عرف کسی مخصوص طبقہ کے لئے مستعمل نہ ہوا ہو بلکہ عوام اور خواص دونوں میں رائج ہو۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

" فکل منهما لایکون عاما تبنی الاحکام علیه حتیٰ یکون شائعا مستفیضا بین جمیع اهله۔"(27)

عرف کی اس شرط کو مولانا احمد رضا خان نے اپنے فتاویٰ میں اس طرح تحریر کیا ہے:

"عرف و تعامل جس میں اجتہاد در کنار، علم بھی درکار نہیں، (اس میں) علماء و جہلاء سب کا عمل درآمد ملحوظ ہے۔"(28)

4۔ عرف کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو۔

عرف کے معتبر ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ کسی بھی تعامل میں اگر عرف رائج ہو مگر متعاقدین کر درمیان عرف کے خلاف اتفاق ہو جائے تو اس تعامل میں عرف غیر معتبر سمجھا جائے گا۔ جیسے آج کل تجارت میں عرف یہ ہے کہ مال منگوانے کے اخراجات مشتری پر ہوتے ہیں اگر بائع اور مشتری کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ مال منگوانے کے اخراجات بائع ادا کرے گا تو اس بات میں عرف کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ متعاقدین کے درمیان معاہدے پر عمل کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ

"جو چیز عرف کے بغیر ثابت ہو تو عرف ثابت نہیں ہو گا اگر اس (عرف) کے خلاف کوئی شرط لگادی جائے"۔(29)

5۔ احکام کا تغیر زمانے کے تغیر پر موقوف ہونا

ایسے احکام جن کا تعلق عرف سے ہے تو عرف کے بدلنے سے احکام میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ فقہاء کرام نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ زمانے کے بدلنے سے احکام کی تبدیلی کا انکار نا ممکن ہوتا ہے۔ جیسا کہ:

"ان الاحکام المترتبة علی العوائد تدور معها کیف مادارت۔ و تبطل معها اذا بطلت کالنقود فی المعاملات و العیوب فی الاعراض فی البیاعات و نحو ذالک فلو تغیرت العادة فی النقد و السکة الی سکة اخریٰ لحمل الثمن فی البیع عند الاطلاق علی السکة التی تجددت العادة بها دون ما قبلها و کذالک اذا کان الشیء عیبا فی الثیاب فی عادة رددنا به المبیع فاذا تغیرت العادة و صار ذالک المکروہ محبوبا موجبا لزیادة الثمن لم ترد به و بهذا القانون تعتبر جمیع الاحکام المرتبة علی العوائد وهو تحقیق مجمع علیه بین العلماء لا خلاف فیه "(30)

ترجمہ: "اور یہ عرف کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں جب وہ باطل ہوں۔ جیسے سکے کی معاملات میں تجارتی مال خرابی اور عیب کا ہونا اور ایسی دوسری صورتیں۔ اگر نقدی سکہ کا رواج بدل جائے اور ایک سکہ دوسرے سکہ کی جگہ لے لے۔ تو بیع میں بطور ثمن اس سکہ کا اعتبار ہو گا جو عادت کی وجہ سے نیا رائج ہو، نہ کہ پرانے سکہ کا۔ اور اسی طرح جب کپڑے میں خرابی عیب شمار ہوتی ہو تو اس مبیعہ کو اس عیب کی وجہ سے لوٹایا جا سکتا تھا۔ پس جب عادت بدل جائے اور اس عیب کو پسند کیا جانے لگا اور وہ قیمت کی زیادتی کا موجب بھی ہو تو اس کو لوٹایا نہیں جائے گا اور یہ قانون معتبر سمجھا جائے گا ان تمام احکام میں جو عرف اور عادت کی وجہ سے مرتب ہو جائے۔ اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس قانون کی رعایت کی جائے گی فتووں میں ہر زمانہ کے اندر پس جب کبھی نیا عرف پیدا ہو گا اس کا اعتبار ہو گا اور جب وہ ساقط ہو گا تو اس کا حکم بھی ساقط ہو جائے گا۔"

فتاویٰ نوریہ میں العادۃ محکمۃ سے استدلال کا منہج

☆ عرف باعتبار الفاظ سے استدلال

مفتی نوراللہ نعیمی سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنے علاقہ کے نمبر دار کو بلایا اور غصے کی حالت کہا کہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دیتا ہوں نمبر دار نے سمجھایا مگر وہ اپنے الفاظ ادا کرنے سے نہ رکا۔ نمبر دار نے لفظ طلاق کیجگہ لفظ حرام حرام حرام طلاق نامہ میں لکھا اور یہی الفاظ زبان سے بھیکھلوائے اور زوجہ کا نام تحریر نہ کیا اور نہ ہی زبان سے کہلوایا تا کہ اس شخص کا غصہ ختم ہو جائے۔

مفتی صاحب اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسعورت کو دو طلاقیں واقع ہو گئیں (طلاق دیتا ہوں اور تحریر) شامی کا حوالہ سے لکھا ہے:

"وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک"(31)

ترجمہ: "اور ایسے ہی فعل مضارع جس میں حال غالب ہو جیسے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔"

پھر اس شخص کا نمبر دار کو یہ کہنا کہ میری بیوی کو کاغذ لکھ دے۔ طلاق کا اقرار ہے اگر پہلا لفظ بھی نہ بولتا اور نمبر دار بھی کچھ نہ لکھتا تب بھی ایک طلاق واقع ہو جاتی جیسا کہ شامی میں ہے:

"ولو قال للکاتب اکتب طلاق امراتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب "(32) اور اگر کاتب کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق لکھو یہ اقرار طلاق ہے اگرچہ وہ نہ لکھے"

تین مرتبہ حرام حرام حرام کہلوانے سے ایک اور طلاق (بائن) واقع ہو گئی۔ لفظ حرام عرف کے اعتبار سے طلاقِ صریح بن چکا ہے۔ شامی میں ہے:

"افتی المتاخرون فی انت علی حرام بانه طلاق بائن للعرف بلا نیة "علماء متاخرین نے فتویٰ دیا کہ تو مجھ پر حرام ہے بغیر نیت کے بھی طلاق بائن ہو گی"

اور اضافۃ الی المرءۃ اور اضافۃ الی المرءۃ، ما قبل پر ترتب کی وجہ سے کالصریح ہے۔(33)

مفتی صاحب نے اس مسئلہ کو قاعدہ فقہیہ العادۃ محکمۃ کے تحت بیانکیا ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں بحر الرائق اور فتاویٰ شامی کا حوالہ موجود ہے مگر مفتی صاحب اس مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس شخص کا نمبر دار کو کہنا کہ میری بیوی کو طلاق لکھ دے تو یہ اقرار طلاق ہے تو ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اب میرا محلِ استدلال یہ ہے نمبر دار کا اس شخص کو حرام حرام کے الفاظ کہلوانا اگرچہ طلاق کے لئے کنایہ الفاظ ہیں جس سے طلاق بائن پڑتی ہے مگر آج کل کا جو عرف ہے ان الفاظ سے طلاق صریح واقع ہو گی۔

☆انقلاب (استحالہ) سے الکوحل کے حکم پر استدلال

انگریزی ادویات میں الکوحل کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ اگر الکحل کی آمیزش ایسی ہو کہ کالعدم ہو جائے۔ یہ استحالہ نوعی کہلاتا ہے۔ جیسے: نمک کی کان میں گدھا مر کر نمک کے ساتھ مل جائے تو جواز کی گنجائش ہے۔

مفتی نور اللہ نعیمی اپنے فتاویٰ نوریہ میں اسکا جواب لکھتے ہیں:

"میری نظر میں استحالہ نوعی کی صورت نہیں بن سکتی کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ استحالہ وانقلاب کی دو اقسام ہیں

1۔ استحالہ وانقلاب خلقی

خلقی انقلاب سے طہارت کا آ جانا مسلم ہے جیسے ناپاک پانی اور گوبر وغیرہ سے پودے یا بیلیں پرورش پاتی ہیں پانی اور کھاد کے اجزاء یقیناً ان کے اجزاء بن کر منقلب اور مستحیل ہو جاتے ہیں جیسے نطفہ، علقہ اور مضغہ بن کر ذی روح بن جاتا ہے تو یہ انقلاب واستحالہ یقیناً پاک ہے یوں ہی سب جانوروں کی اصل پاک ہے الا ما خصه الدلیل من النجس العین "مگر نجس عین سے دلیل خاص ہو جائے "اسی طرح بکری کا بچہ جو پلید دودھ سے پالا گیا یا مرغی کا غلیظ کھا کر پرورش پانا خلقی انقلاب کی بنا پر حلال پاک ہے۔

2۔ استحالہ وانقلاب مصنوعی

مصنوعی انقلاب واستحالہ دو چار چیزوں کو ملا کر مرکب تیار کرنے سے ہیئت سابقہ ضرور بدل جاتی ہے اور مفردات کے بعض اوصاف بھی باقی نہیں رہتے، ایسے انقلاب سے پلید چیز کا پاک ہونا محل نظر ہے مثلاً: ایسا تریاق جو سانپ کے گوشت اور دیگر ادویہ کو ملا کر معجون بنایا جاتا ہے یا ناپاک پانیا

شراب آٹا میں ملا کر روٹی پکائی جاتی ہے یا شوربہ میں شراب ڈالی گئی تو یہ سب پلید ہیں ان کا استعمال جائز نہیں۔ البتہ بعض مشائخ نے بعض مرکبات کو ایسے استحالہ کی بناء پر پاک فرمایا ہے مگر عند التحقیق ان مرکبات کا حکم طہارت ضرورت اور عمومی بلویٰ پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً وہ صابون جو پلید تیل سے تیار کیا جاتا ہے بعض علماء نے انقلاب اور استحالہ کی وجہ سے پاک لکھا ہے اور نمک کے مسئلہ پر قیاس کیا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

وعلى قول محمد فرعوا الحكم لطهارة صابون صنع من زيت نجس۔ "امام محمد کے قول کے مطابق صابن کا حکم پاک ہونے کی طرف متفرع ہے جو صابن نجس تیل سے بنایا گیا ہو۔"(34)

فرعوا کا لفظ قالوا کی مثل ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علامہ ابن ہمام اور باقی مصنفین جیسے کبیری وغیرہ کو یہ تفریع پسند نہیں آئی۔ اس کی تصریح در مختار اور شامی میں موجود ہے صابون کی طہارت کا حکم ضرورت وبلوی کی وجہ سے ہے۔ اسی انقلاب کی بناء پر پلید پانی اور پاک مٹیا پاک پانی اور پلید مٹی سے تیار کیا ہوا گارا کو حلال کیا گیا ہے۔(35)

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ

ادویات میں جو الکحل کی آمیزش ہوتی ہے اس کو استحالہ خلقی پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ استحالہ خلقی میں آمیزش سے اصل کا وجود بالکل ختم ہو جاتا ہے جیسے زہر آلود ادویات کو فصلوں میں ڈالنے سے جو زہر کی آمیزش فصل میں پائی گئی ہے وہ خلقی طور پر ہے کیونکہ وہ زہر پہلے زمین میں جذب ہوتا ہے پھر اس کا اثر زمین کی وجہ سے فصل میں پہنچتا ہے۔ یہ استحالہ خلقی ہے جو کہ شرعا جائز ہے۔ مگر استحالہ مصنوعی دو چار چیزوں کو ملا کر بنایا جاتا ہے جس میں ان چیزوں کی اصل کا وجود باقی رہتا ہے۔ جیسے سانپ کا گوشت اور دوسری ادویات سے تیار کیا ہوا معجون۔ اس میں سانپ کا گوشت اپنی اصلی حالت میں ہوتا ہے جس کا استعمال کرنا شرعا ناجائز اور گناہ ہے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ استحالہ خلقی کو استحالہ مصنوعی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے مگر صابن جو پلید تیل سے تیار کیا جاتا ہے وہ عرف اور عموم بلویٰ کی وجہ سے جائز و حلال ہے۔ مفتی صاحب نے صابن کے مسئلہ کو قاعدہ فقہی العادة محكمة کے تحت بیان فرمایا ہے جو کہ ہمارا محلِ استدلال ہے۔

☆فقہی قاعدہ اور اس کی تفریع کو ذکر کرنے سے استدلال

مفتی صاحب سے سوال ہوا کہ دارالعلوم میں رمضان المبارک کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو مدرسین کو رمضان المبارک کی تنخواہیں دینا شرعا جائز ہے یا ناجائز؟

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں جملہ مدرسین کو باقاعدہ مشاہرات دیئے جاتے ہیں شرعا یہ مدرسین کے لئے جائز ہے۔ ہمارے مدارس کے علاوہ سرکاری سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی مشاہرات اسی طرح دیئے جاتے ہیں اور یہ مدرسین کا حق عرفا مانا ہوا ہے حالانکہ شرعا المعروف كالمشروط۔ "عرف میں مشروط کی طرح ہوتا ہے" بزازیہ میں ہے المعروف عرفا كالمشروط شرعا۔ "جو عرف میں مشہور ہو وہ شرعا مشروط کی طرح ہوتا ہے"

الاشباہ والنظائر میں ہے القاعدة السادسة العادة محكمة(36)پھر اسی قاعدہ کے مسائل میں ہمارے اس مسئلہ تعطیلات کے متعلق صراحت موجود ہے۔(37)

☆شادی کی رسومات اور عرف وعادت

ضلع دیر کے کچھ علاقوں میں ایک رسم مشہور ہے کہ جب کسی عورت کی شادی ہوتی ہے تو شادی کے دن دلہن کے والدین اپنے گاؤں والوں کو اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو کھانا کھلاتے ہیں جس کا تمام خرچ دولہا والوں کو دینا پڑتا ہے اس علاقہ میں پکا ہوا کھانا دیا جائے تو اس کو "گوشتی" کہتے ہیں اگر صرف آٹا، چاول اور گھیٹی پکا کر نہ دیا جائے تو اس کو "توانہ" کہتے ہیں بعض علماء اس کو حرام کہتے ہیں مدلل جواب دیں۔

اس سوال کے جواب کو مفتی صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"سب سے پہلے حرام کی تعریف کو نقل کرتے ہیں حرام وہ چیز ہوتی ہے جس کا کرنا قطعی دلیل سے منع ہو شامی میں ہے: فمع المنع عن الفعل بدليل قطعي "کسی فعل کو دلیل قطعی کے ساتھ روکنا ہے "

کسی دلیل قطعی سے اس کھانے یعنی گوشتی کی ممانعت ثابت نہیں ہے تو حرام نہ ہو گا شریعت مطہرہ میں عرف ورواج کو بڑا عمل دخل ہے قرآن میں ہے" وَأْمُرْ بِالْمُعْرُفِ (38)" نیکی (یا رسم ورواج) کا حکم دیجئے" قاعدہ فقہیہ ہے کہ" ان الثابت بالعرف كالثابت بالنص "کسی چیز کا رسم ورواج سے ثابت ہو ایسا ہے جیسے نص سے ثابت ہونا" بہر حال اس کھانے یعنی گوشتی کا عرف عام ہو گیا ہے تو وہ کیوں کر حرام ہو گا۔(39)

☆تجار کی رسومات تحریر معاہدات کی مثل ہوتی ہیں

تاجروں میں عمومی طور پر تحریری معاہدات نہیں ہوتے بلکہ مخصوص رسوم اور رواجات ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے معاملات طے کرتے ہیں۔ یہ رسوم ورواجات وغیرہ معاہدات میں ضروری شرائط کے طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں اور قابل نفوذ تصور کئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں فتاویٰ نوریہ میں اگرچہ تحریری طور سوال درج نہیں ہے مگر جواب سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اسی مضمون کا سوال ہوا ہو گا۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"مضاربت میں نقصان کی شرط رکھنا کہ نقصان میں رب المال اور مضارب دونوں شریک ہوں گے یہ شرط باطل ہے مگر اس شرط باطل کی وجہ سے مضاربت پر اثر نہیں پڑتا بلکہ مضاربت صحیح ہوتی ہے جیسا کہ بدائع وصنائع میں ہے: لو شرطا في العقد ان تكون الوضيعة عليهما بطل الشرط والمضاربة صحيحة -"اگر دونوں بیع میں شرط لگائیں کہ صورت حال ایسے ہو گی تو شرط باطل ہے اور مضاربت صحیح ہو گی" (40)

اصل قیاس عدم جواز کا ہے مگر ان مسائل وجزئیات کا دارومدار تجار کی عرف وعادت پر ہے جو صورت رسم وعادت تجار میں آجائے تو وہ جائز ہو گی جب تک اس کے خلاف کوئی نص وارد نہ ہو۔(41)

حوالہ جات

1۔ماہنامہ نور الحبیب، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، جنوری، فروری 1992ء، ص 11

2۔نوری، محمد محب اللہ، حیات فقیہ اعظم، (فتاویٰ نوریہ جلد 1 ص 68) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء

3۔نعیمی، محمد نور اللہ، فقیہ اعظم، فتاویٰ نوریہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء ج6 ص54

4۔نوری، محمد محب اللہ، حیات فقیہ اعظم، (فتاویٰ نوریہ جلد 1 ص 70،69) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء

5۔ماہنامہ نور الحبیب، فقیہ اعظم ماہ وسال کے آئینے میں، اشرفی، فیض الحبیب، صاحبزادہ، اوکاڑہ: دارالعلوم فریدیہ بصیرپور، ص 11

6۔نوری، محمد محب اللہ، حیات فقیہ اعظم، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء، ج2 ص35

7۔نوری، محمد محب اللہ، حیات فقیہ اعظم، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء، ج2 ص35

8۔نوری، محمد محب اللہ، حیات فقیہ اعظم، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء، ج3، ص69

9۔نوری، محمد محب اللہ، انوار مکتوبات فقیہ اعظم، اوکاڑہ: دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، 2008ء، ص96

10۔ماہنامہ ترجمان اویس، مرید کے، رمضان المبارک 1403ھ

11۔نوری، محمد محب اللہ، حیات فقیہ اعظم، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور، اوکاڑہ، اشاعت ششم، 2008ء، ج1 ص82

12۔دکتور محمد صدقی بن احمد، الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ 1 / 273، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ۔

13۔علی بن محمد بن علی الجرجانی، کتاب التعریفات ۱ / ۱۴۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ

14۔زین الدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، الاشباہ والنظائر 1 / 93، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ

17۔شامی، ابن عابدین، مجموعہ رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور، ج2، ص114

18۔زیدان، ڈاکٹر عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، ص310

19۔علی حیدر، درر الحکام علی شرح مجلۃ الاحکام، الریاض: دار عالم الکتب، س ن، ص:20

20۔ابو زہرہ، علم فقہ، بیروت: دار الفکر، س ن ص274

21۔ابو زہرہ، علم فقہ، بیروت: دار الفکر، س ن ص274

22۔المائدہ:91

23۔البقرۃ:275

24۔ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن، ص122

25۔الشیبانی، محمد بن حسن، شرح السیر الکبیر، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1997، ص198، ج1

26۔زیدان، ڈاکٹر عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، ص316

27۔شامی، محمد امین ابن عابدین (1292ھ)، رسائل ابن عابدین، مصر: میمنہ، 1310ھ۔ ص132، ج2

28۔احمد رضا، اعلیٰ حضرت، فتاویٰ رضویہ، لاہور: رضا فاؤنڈیشن، س ن، ج8 ص210

29۔دکتور، صالح بن غانم، القواعد الفقہیہ الکبریٰ وما تفرع عنھا، دار بلنسیۃ 1417ھ

30۔شہاب الدین احمد بن ادریس، الفروق للقرافی، علم الکتب، ج1 ص176

31۔شامی، ابن عابدین، رد المحتار، مصر: دار السعادۃ، 1344ھ، ج2 ص591

32۔شامی، ابن عابدین، رد المحتار، مصر: دار السعادۃ، 1344ھ، ج2 ص589

33۔نعیمی، نور اللہ، فقیہ اعظم، فتاویٰ نوریہ، اوکاڑہ: دار العلوم حنفیہ فریدیہ، ج3 ص173

34۔ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالحمید، فتح القدیر، مصر: میمنہ 1307ھ، 1 ص176

35۔نعیمی، نور اللہ، مفتی، فتاویٰ نوریہ، اوکاڑہ: دار العلوم حنفیہ فریدیہ، ج3 ص575، 574

36۔ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، کراچی: قدیمی کتب خانہ، ص93)

37۔نعیمی، نور اللہ، مفتی، فتاویٰ نوریہ، اوکاڑہ: دار العلوم حنفیہ فریدیہ، ج3 ص618

38۔الاعراف:199

39۔نعیمی، نور اللہ، مفتی، فتاویٰ نوریہ، اوکاڑہ: دار العلوم حنفیہ فریدیہ، ج3 ص633

40۔الکاسانی، علاؤالدین، ابو بکر بن مسعود (587ھ)، البدائع والصنائع، بیروت: دار الکتب العلمیہ 1986ء، ج6 ص86

41۔نعیمی، نور اللہ، مفتی، فتاویٰ نوریہ، اوکاڑہ: دار العلوم حنفیہ فریدیہ، ج4 ص140